Year 2023; Vol 02 (Issue 02)

PP. 69-82 https://journals.gscwu.edu.pk/

ڈاکٹر ایم ریاض احمد (ریاض)،شعبہ اُردو،وزٹنگ فیکلٹی، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی فیصل آباد

ڈاکٹر عبدالعزیز ملک،اسسٹنٹ پروفیسر،شعبہ اردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی،فیصل آباد

Dr. M Riaz Ahmed (Riyadh),

Department of Urdu, Visiting Faculty, Government College University Faisalabad

Dr. Abdul Aziz Malik,

Assistant Professor, Department of Urdu, Government College University, Faisalabad

احمد بشیر کی مضمون نگاری

Ahmad Bashir's essay

Abstract:

"Ahmad Bashir was a renowned journalist and a literary icon of Urdu. He wrote essays / articles and columns equally in English and Urdu. Among the various of his journalistic and literary facets, sketch-writing, novel-writing and editorial-writing are worth-mentioning. He got education in film-making from America, and then started film-making and direction in Pakistan. He produced few documentaries, and made the first and the last to date belly film of

Pakistan "Chirree Kahaani" that achieved an award in belly film festival of Iran. He chose journalism for making his livelihood, and learnt journalism from Charagh Hassan Hassrat in the daily "Amroz". He was called the founder of Urdu feature-writing. He wrote his debut feature on Gaamma Pehalwaan. After the daily "Amroz", he started writing for the weekly "Qandeel". He never sticked long to a newspaper owing to his truthfulness and ideological thoughts. He exhibited his writing power, along with editorial writing, in both English and Urdu journals and newspapers like: "Chataan", "Lail-o-Nahaar", "Nawa-e-Waqt", "Jang", "Musawaat", "Friday Times", "The Muslim", "The Star", "The News" and "Frontier Post". His last writing, featuring the journalistic; political; analytical and ideological characteristics, continued to publish in the monthly "Naya Zamaana" from Lahore. His style held truthfulness and candidness. He had to write uder different false names due to the atrocities of the government. He adopted the names of Bhulley Shah, Shah Anyat and Ahmad Khan Kharal for this purpose. He never let the journalistic and literary values fall a prey to worldly strategies and impurities. He was a staunch socialist and flag-bearer of social justice.

Key Words:

Column, Sketches, Editorial, Journalism, English Essay, Social Issues, Features, Literature, Ahmad Bashir

احمد بشیر نے صحافت میں قدم رکھا تو انھیں مولانا چراغ حسن حسرت کی رہنمائی ملی ۔انھوں نے احمد بشیر کی ایسی تربیت اور تراش خراش کی کہ ان کے قلم سے"جواہر پارے"(۱) تخلیق ہونے لگے۔ ان قیمتی موتیوں کی کئی اقسام ہیں ان میں کالم ،خاکے ، اداریے ، فیچر ، ناول اور خطوط کے علاوہ سماجی، سیاسی، تاریخی اور علمی موضوعات پر مبنی مضامین شامل ہیں۔مضامین اردو انگریزی دونوں زبانوں میں ہیں جو ان کے ناول،خطو ط اور خاکوں کی طرح کتابی صورت میں شائع ہو چکے ہیں۔ انگریزی مضامین کے شائع ہونے والے انتخاب کا نام Dancing with Wolves(بھیڑیوں کے ساتھ رقص) ہے اور اسی طرح کے اردو مضامین جو ماہنامہ "نیا زمانہ" لاہور میں قریباً چار سال میں چھپے وہ"خون جگر ہونے تک" کے نام سے کتاب کی صورت میں چھپ چکے ہیں۔

ان مضامین میں علمی،ادبی،تاریخی، سائنسی اور سیاسی رنگ بھی موجود ہے اور فنی اور فکری آہنگ بھی۔ان کی خاکہ نگاری میں پائے جانے والی بے رحم سچائی،بے خوفی اور جرات اظہار کی سبھی خوبیاں مضامین میں بھی پوری شدت کے ساتھ موجود ہیں۔

مثلاً ان کے مضامین،"سنگ رابستندوسگ راہ کشا دند"،"کالم نگاروں کی قلا بازیاں"،"ضیائی اسلام کی واپسی"، "برادران یوسف"، "دامن کو ذرا دیکھ بند قبا کو دیکھ"، "The Penomenon of Gandhi"(گاندھی کے مظاہر)"Kafir on the bus stop" (کافر بس سٹاپ پر "Mehmood booti Gangrape" (محمود بوٹی گینگ ریپ)اور) "Fatwa for my behinding" میرے قتل کا فتویٰ) وغیرہ ان کے قلم کی سچائی اور جرآت اظہار کے بھر پور عکاس ہیں۔اپنے مضمون "Fatwa for my be heinding" (میرے قتل کا فتویٰ) میں قلم اور سوچ کی بے خوفی ملاحظہ کیجئے:

> "Having a drink now and then and going to Heera Mandi to enjoy a bit of classical music, was considered, at worst was not illegal then. Nor was mujra gaiki. It is even now patronised by our feudal rulers and the bazar remains open for anybody who seeks a bit of relaxation. But tastes have been vulgrised and now there is more sensuousness than art in the business. The ulema know all about it and accept the reality of the existence of Heera Mandi. But they took out a leaf from my book, branded me a kafir, and issued a fatwa, demanding form the,ulema,and the, awam, to lynch and behead me on sight to save the society from total moral degradation, and I should also be whipped for making a confesion.
>
> The authors of the fatwa are such heavy weights as Maulana Abdul Qadir Azad, Dr Israr Ahmad,

Maulana Ghulam Murtaza Malik, Maulana Abdul Qadir Ropri, Maulana Abdul Rehman Ashrafi, Qazi Abdul Qadeer Khamoosh and others. None of them have herad my side of the story."(2)

مفہوم: (صہبائی لذتوں سے سرشاری کے بعد گائیکی کے ذوق کی آبیاری کے لیے ہیرامنڈی میں کلاسیکی موسیقی سے لطف اندوز ہونے پہنچے اس وقت یہ سب غیرقانونی نہیں تھا۔ اس کی سرپرستی ہمارے فیوڈل لارڈ یعنی وڈیرے وغیرہ کرتے تھے اور ہر کوئی اس گنگا میں ہاتھ دھو سکتا تھا۔ پہلے یہ آرٹ کے زمرے میں آتا تھا اور اب کاروبار کی کاروکاری کی حدود میں شامل ہے۔ ہیرامنڈی کے چلنے کی صورتِ حال سے سبھی علما بخوبی آگاہ ہیں لیکن انھوں نے مجھے کافر قرار دے کر زندگی کی کتاب سے فراغت دینے کے لیے میرے قتل کا فتویٰ جاری کر دیا کہ ایسے لوگوں سے معاشرے کو پاک کرنا ضروری ہے۔ یہ فتویٰ میرے لیے ایک تازیانہ تھا۔ فتویٰ دینے والے علماء بڑے نامی گرامی تھے جن میں مولانا عبدالقادر آزاد، ڈاکٹر اسرار احمد، مولانا غلام مرتضیٰ ملک، مولانا عبدالقادر روپڑی، مولانا عبدالرحمن اشرفی، قاضی عبدالقدیر خاموش و دیگر کسی نے بھی میرا موقف سنناگوارہ نہ کیا۔)

احمد بشیر نے اس فتوے کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے ان فتویٰ بازوں کے خلاف اپنا قلمی ہتھیار استعمال کیا اور ماضی و حال کے تمام کارناموں کی تفصیل سے بھرپور ایک مضمون"پھر رہا ہے شہر میں ملا کھلا" لکھا جس میں ہلاکو خاں کو عادل بادشاہ کا خطاب فتوے کی صورت میں دینے اور قرآن کو بھی حادث قرار دینے کے فتوؤں کا ذکر کیا۔ انتظار حسین نے علما کے تابڑ توڑ فتووں کو تنقید کا نشانہ بنایا اور ظفر اقبال نے بھی قائداعظم کو کافر کہے جانے والے فتووں کو ہنوز واپس نہ لینے کی بات کر کے احمد بشیر کے حق صدائے احتجاج بلند کی۔

یہی بے باکی اور سچائی ان کے دیگر مضامین میں ملتی ہے مثلاً صحافی برادری میں موجود"برادران یوسف" کاتذکرہ ملاحظہ فرمائیں:

"جنگ کے سارے کالم نگار خوشامدی نہیں اور ناجائز کسب فیض نہیں کرتے۔مگر وہ کبھی کبھار کسی ایشو پر بھی بات کرجاتے ہیں مگر ایک بات سب میں مشترک ہے۔وہ دوسروں کی کریں نہ کریں اپنی خوشامد ہر روز اور ہرکالم میں کرتے ہیں۔جنگ میں ہر کالم "میں" سے شروع ہو کر "میں "پر ختم ہو جاتا ہے۔ہمارے استادوں نے سکھایا تھا کہ "میں" ایک سے زیادہ فحاشی ،میں شمار ہوتا ہے۔ "میں"کا لفظ شرفا کم ہی استعمال کرتے ہیں۔مگر یہ گناہ تو شہر تمنا میں بلا ناغہ ہو رہا ہے۔تو دانی حساب کم و بیش راالگتا ہے علامہ صاحب بیچ منجد ھار کھڑے اکیلے ہی پاکستان کے ماہ و سال تصنیف کر رہے ہیں۔ اور قضاو قدرت پر ان کا پہرہ ہے۔" (۳)

احمد بشیر کے ان مضامین سے ان کی شخصیت میں پائے جانے والے تحمل کے رنگ بھی دکھائی دیتے ہیں۔ مثلاً جب عطا الحق قاسمی صاحب نے جنرل ضیاء کے خلاف لکھنے پر احمد بشیر کو"کھوتے دا پتر"کہا تو اس کے جواب میں احمد بشیر نے اپنے تحمل کو ان جملوں میں سمو دیا:

"جو کچھ جناب قاسمی صاحب نے اس فقیر کے بارے میں لکھاتھا اس پر مجھے کوئی تکلیف نہ ہوئی۔"(۴)

"جناب قاسمی صاحب سے مجھے کوئی شکایت نہیں۔کیونکہ گالی پر مجھے غصہ نہیں آتا۔"(۵)

عطا الحق قاسمی صاحب نے یہ کالم احمد بشیر کے خلاف نامناسب عنوان سے لکھا۔ احمد بشیر نے اس پر اپنا شخصی تحمل پیش کرنے کے بعد قلمی طور پر ان کے خوب لتے لیے اور ایسے کہ دوبارہ انہوں نے براہِ راست کبھی کسی کے خلاف ایسا عنوان نہ باندھا۔

ان کے خلاف ایک سخت قسم کا خط آیا جس کے جواب میں لکھتے ہیں:

> "یہ خط بہت پر لطف تھا۔اور چونکہ یہ فقیر حقیر گالیاں کھاکے بے مزہ نہیں ہوتابلکہ لاہور کے آٹھ دینی اکابرین سے واجب القتل قرار دیئے جانے پر بھی خدا کا شکر ادا کرتا ہے۔جس نے اس ضعیف کو اتنی عزت بخشی۔"(۶)

درج بالا الفاظ احمد بشیر نے ان کی عزت افزائی کرنے والے مکتوب نگار عطاالحق صدیقی کے ان الفاظ کے جواب میں لکھے تھے انہیں"متشدد"،"مادر پدر آزاد""سیکولر دانش گزیزیدہ"وغیرہ کہا گیا تھا۔

احمد بشیر کے مضامین میں ان کے طنزکی دھار بڑی تیز ہے اور یہ تیزی کبھی کسی کو سفا کی محسوس ہوتی ہے اور کسی کو بے رحم سچائی لگتی ہے۔جنرل ضیاء کے خلاف احمد خان کھرل،شاہ عنایت اور بلھے شاہ کے قلمی ناموں سے لکھنے اور نوکریوں سے نکالے جانے اور دیگر"برادران یوسف"کا مارشل لا کے خلاف لکھنے کے دعوے داروں کے حوالے سے ان کے قلم سے تخلیق ہونے والا طنز کا یہ نمونہ ملاحظہ فرمائیں:

> "جناب عطاء الحق قاسمی قسمیں کھاتے ہیں کہ ضیاء الحق کے اقتدار کے پہلے دن سے ان کے انتقال اور انتقال سے آج تک میں ان کے شدید ترین مخالفین کی صف میں شامل ہوں۔اب اس فقیر کو کھڑا ہونے کی جگہ نہیں مل رہی۔کیونکہ ان کے مخالفین کی صف میں تو جناب عطاء الحق قاسمی نے ساری جگہ گھیر رکھی ہے۔مگر ان کو،چونکہ وہ ہمیشہ سے معصوم و بے خطا چلے آتے ہیں اس لئے،یہ معلوم نہیں کہ یہ فقیر بلھے شاہ کے نام سے کیوں لکھتا تھا۔جب کہ وہ احمد بشیر کے نام سے غیر معروف نہ تھا۔بلھے شاہ ہی کے نام سے نہیں بلکہ وہ شاہ عنایت اور احمد خان کھرل کے نام سے بھی لکھتا رہا۔ان نامو ں سے لکھتا تھا کیونکہ روسیاہ ضیاء الحق کے سیکرٹری اطلاعات

جنرل مجیب الرحمان مجھے ہر اخبار سے نکلوادیتے تھے۔کیونکہ ان کے خیال میں ضیاء الحق کے شدید ترین مخالفین میں فقط میں نے ساری جگہ گھیر رکھی تھی۔ان کے شدید ترین مخالفین میں مصطفی صادق،ضیاء اسلام انصاری(مرحوم و مغفور) اور ہر حکومت کے لیموں نچوڑ ڈاکٹر الطاف حسن قریشی،جناب عبد القادر حسن اور جناب عطاء الحق قاسمی بھی شامل تھے۔مگر جرنیل دن کے اندھے ہوتے ہیں۔اس لئے وہ جناب قاسمی اور ان کے ہمنواؤں کی شدید ترین مخالفت کو دیکھ نہ سکے اور مارشل لاء کا سارا نزلہ اس عاجز پر ہی گرتا رہا۔"(۷)

نظریاتی طور پر احمد بشیر کا تعلق بائیں بازو کے فکری طبقہ سے تھا اور ان کی ہر تحریر میں ان کے اس نظریہ سے وابستگی کا عنصر موجود ہے۔جب وہ اس راستے پر چلے تو انہوں نے پیچھے مڑ کر نہ دیکھا۔تما م عمر اس نظریے کی تر ویج کرتے رہے اور اس نظریے سے وفاداری اور راستواری میں اس قدر مضبوطی دکھاتے تھے کہ ان کے مخالفین بھی ان کی عظمت کے معتر ف ہیں۔

احمد بشیر کی نظریاتی سوچ ملا،سر مایہ دار اور جاگیر دار کی مثلث کے بہت خلاف ہے اور ان مضامین میں بھی جابجا ان لوگوں کے خلاف خیالات کا اظہار ملتا ہے اور وہ اس بات پر کامل یقین رکھتے تھے کہ جب تک اس مثلث سے وابستہ کلچر یا نظام ختم نہیں ہوگاہمارا دیش ترقی نہیں کر پائے گا اور ان کی سوچ کیسی اور کس حد تک سیکو لر تھی اس ضمن میں و ہ لکھتے ہیں:

"یہ تو طے ہے کہ انسان کو بالآ خر آزاد اور خود مختار ہونا ہے اور سو شلزم ہی اس کا راستہ ہے۔یہ ایک فطری عمل ہے اسے ختم نہیں کیا جا سکتا مگر اس میں دو چار سخت مقام آتے ہیں۔ان سے گزرنا ضروری ہے۔ تاریخ کا سبق ہے کہ پہلے جاگیر داری کو ختم کر و یا پھر سرمایہ دارانہ اصلاحات کرو اور جمہوریت بھی صرف جاگیرداری کے خاتمے کے بعد ہی آسکتی ہے۔ہمارے ہاں الیکشن ہوتے ہیں مگر جمہوریت نہیں آتی صرف شیروانی اور دوپٹے والی آمریت آتی ہے یاوردی والی آمریت کیونکہ جاگیرداری ختم نہیں ہوتی ا ور مُلا ازم بھی اس کا ریٹرن ٹکٹ ہے۔بحث غلط ملط ہو رہی ہے۔آخر میں عرض کرتا ہوں کہ امریکہ کا زوال شروع ہو چکا یعنی عالمی سرمایہ داری مگر ابھی دنیا کو خون کے آنسو رونا ہے۔نظر یہ آتا ہے کہ اس صدی کے آخر تک دنیا میں سو شلزم کی کوئی نہ کوئی شکل رائج ہوگی۔"(۸)

پاکستان میں ہونے والے انتخابات کا طنزیہ جائزہ لے کر احمد بشیر اس کی غیر جمہوری روش کا ذکر کرتے ہیں کہ یہ تو صرف دوپٹے اور شیروانی والی آمریت ہے اور اس کا کردار بھی وردی والی آمریت جیسا ہے۔سیکو لر ازم کی وضاحت سے بھی ان کی وابستگی کے بارے میں معلوم

ہوتاہے اور ان کی شخصیت کے منطقی پہلو پر روشنی پڑتی ہے۔اپنے انگریزی مضمون-Quaid-E Azam's Pakistan(قائداعظم کا پاکستان)میں لکھتے ہیں۔:

> "secularism is supposed to mean Ladini, Kufr, and war against Allah. At least this is what our religious intellectuals now say.Secularism is actually no such thing. It has no quarrel with Allah or His Deen. Secularism is only an institutional and conceptival framework for the scientific administration of a state in which people are sovereign in the management of their worldly affairs and not subjects and slaves, to be driven around by this and that. If they want to improve the quality of their life by more knowledge and better distribution of the National income in accordance with each according to his capacity of work, or according to his human and fundamental needs,secularism will let them have their choice".(9)

ترجمہ: (سیکولرازم کے معنی عموماً لادینیت، کفر اور اللہ سے ٹکراؤ کے لیے جاتے ہیں۔ ہمارے مذہبی حلقے اور دانش ور ایسا ہی سمجھتے ہیں۔ سیکولرازم اللہ سے جھگڑے والی کوئی چیز نہیں بلکہ تعلیمی، سائنسی اور انتظامی فریم ورک ہے جس میں لوگوں اور حکومت کا عالمی اور ملکی سطح پر مل جل کر حکومت چلانا ہے۔ اس کا مطلب غلامی بالکل نہیں ہے بلکہ تمام وسائل کی مساویانہ تقسیم کا عمل ہے جس میں ہر کسی کو اس کی بنیادی ضروریات اس کی مرضی کے مطابق مہیا کی جائیں۔

سیکولرازم کےمعانی ہمارے ملک میں لادینی، کفر اور اللہ سے لڑائی کے بنا دیے گئے ہیں۔ احمد بشیر نے اس تنگ نظری اور کم علمی کے حصار کو توڑتے ہوئے سیکولرازم کی اہمیت، افادیت اور عظمت بیان کر تے ہوئے اسے اپنانے اور زندگی اس سانچے میں ڈھالنے کے فوائد بیان کرتے ہوئے واضح کیا ہے کہ یہ اللہ سے جھگڑے والی بات نہیں بل کہ اللہ کے بندوں کی خدمت کا علم بردار ہے۔

تاریخ اور تحریک پاکستان کے حوالے سے معلومات ان کی علمی بصیرت کی گواہی دیتی ہیں اور درج ذیل مضامین اس ضمن میں زیادہ اہمیت کے حامل ہیں۔

"پاکستان کی دفاعی گہرائی"،"جمہوریت یا آمریت"،"کیا سوشلزم ناکام ہوگیا"،"ریفرنڈم اور نظریہ پاکستان"، "ہندوستان زندہ باد"،"نتیجہ دہی ڈھاکے تین پات"، "پنجاب اور پنجابیت"،" دولتانہ پاکستان کے بارے میں"، "Daultana of Paksitan"،"قائدعظم اور قومی زبانیں"، "Quaid on

"Story of the Punjab ،"پنجاب کی تقسیم کی کہانی"،National Languages"
"The Politics of MaulanaMaudoodi" "مولانا مودودی کی سیاست"،Partition"

ان مضامین میں احمد بشیر کی علمی بصیرت حقائق کی گرہ کشائی کرتی ہے اور اس دور کے حالات کے مرقعے لفظی روپ میں ہمارے سامنے آجاتے ہیں۔ سلیس،سادہ اور رواں اسلوب کے حامل یہ مضامین بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔یہ مضامین ہمیں حقائق کے ساتھ مصنف کی پاکستان اور قائداعظم سے محبت کے پہلو کو ہمارے سامنے لاتے ہیں۔

ہندوستان کی قدیم تاریخ کے بارے میں بھی انہوں نے خامہ فر سائی کی ہے اور "Kingdom of chach Brahman"اس سلسلے کا اہم مضمون ہے۔ کلاسیکل گائیگی، سروں،کتھک ناچ اور دیگر فنون لطیفہ کے اس خطے میں ان کے آغاز کے متعلق بھی ان کے مضامین بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔وہ اپنے مضمون"ریاست اور موسیقی"میں ہندوستان میں موسیقی کے آغاز کے متعلق لکھتے ہیں:

> "خیال جہاں سے ہندوستان کی موسیقی شروع ہوئی نت نئے روپ اختیار کرتا گیا جس میں لے کی لڑیاں بھی شامل ہیں۔ان لڑیوں کی تخلیق میں کتھک ناچ کی ترقی کا بھی بڑا دخل ہے جس کے بڑے بڑے مراکز لکھنو،جے پور اور کسی حد تک لاڑکانہ رہے۔"(۱۰)

اس مضمون کے مطالعہ سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ مصنف موسیقی کے متعلق معلومات کے حوالے سے خاصی اہم شخصیت تھے اور اظہر جاوید نے بھی ان کی فن موسیقی کے متعلق معلومات کے حوالے سے ان کی معلومات کا اعتراف درج ذیل الفاظ میں کیا ہے:

" وہ تو موسیقی پر بھی ایک کتاب لکھ سکتے تھے۔"(۱۱)

احمد بشیر کوکشمیر سے نکل کر جس شہر سے دو اہم تحفے ملے اس شہر کا نام "امرت سر" ہے۔ اس وقت احمدبشیر کے ماموں جو ان کے ماموں کم اور دوست زیادہ تھے، کی صحبت میں موسیقی سے آگاہی ملی اور ہر روز شام کو راگ رنگ کی بزم سجتی مے نوشی کا دور بھی چلتا موسیقی کی لہروں اور سروں کے رنگ بھی بکھرتے۔ یہیں احمد بشیر کے یارِ غار ممتاز مفتی سے بھی پہلی ملاقات ہوئی جو عمر بھر کی دوستی میں بدل گئی۔

فنون لطیفہ اورجمالیاتی ذوق کی ترجمانی اور بیان کی روانی کا یہ انداز احمد بشیر کے ذوق کا بھر پور عکاس ہے لکھتے ہیں۔ اور نگ زیب کے بعد جب:

> "خیال جہاں سے ہندوستان کی موسیقی شروع ہوئی نت نئے روپ اختیار کرتا گیا جس میں لے کی لڑیاں بھی شامل ہیں۔ان لڑیوں کی تخلیق میں کتھک ناچ کی ترقی کا بھی بڑا دخل ہے جس کے بڑے بڑے مراکز لکھنو، جے پور اور کسی حد تک لاڑ کانہ رہے۔ اس

> مرکز کا ذکر رچرڈ بریٹن نے کیا ہے مگر سندھی محقق خود یہ بات نہیں کہتے۔ دھر پد تخت سے نیچے اترا تو خیال کی سنہری پگڑی نے اور رنگ بکھیرا اور اس میں مزید تخلیق ہونے لگی۔ راگداری میں حسین اور طرحدار عورتوں نے رنگ ڈالا جو اکبر اور اس کے بعد کے درباروں میں ممکن نہ تھا۔۔پٹیالہ اور شام چوراسی پنجاب کے بڑے خیال گھرانے تھے۔۔ پاکستانی موسیقی کا اس وقت جو حال ہے اور جس قسم کی کھچڑی پک رہی ہے وہ پاکستان کی ریاستی تنظیم یا بدنظمی یا بے سمتی کی پیداوار ہے۔ہم اپنے ثقافتی ورثے سے انکار کرتے ہیں۔پاکستان کی بنیادیں تبدیل کرتے ہیں۔تاریخ سے انکار کرتے ہیں تو پھر فنون لطیفہ بھی زوال پذیر ہوں گے۔ہمارا میوزک ہمارے زوال کی آخری حد نہیں۔آگے آگے دیکھئے۔"(۱۲)

کسی بھی معاشرے میں فنون لطیفہ کی ترقی کا دارومدار اس کی معاشی ترقی سے بھی خاصی حد تک جڑا ہوتا ہے۔ جہاں ملکی حالات، انتشار، بے امنی یا بدنظمی کا شکار ہوں وہاں فنونِ لطیفہ کو ترقی نہیں ملتی۔ ہمارے ملک میں تو ویسے بھی گانا بجانا مذہبی حوالے سے بھی درست نہیں سمجھا جاتا۔ اس رقص کے متعلق ان کا ایک اور اہم مضمون ان کے اردو مضامین کی کتاب"خون جگر ہونے تک"میں شامل ہے اور اس کا نام"لاہورمیں بھارت ناٹیم"ہے اس میں لاہور میں رقص کی ایک تقریب کا احوال بیان کیا گیا ہے اور ساتھ ہی قدیم تاریخ کے تانے بانے بھی ملائے گئے ہیں اور مصنف کے جمالیاتی ذوق کی حلاوت ان کے بیان میں گندھی ہوئی محسو س ہوتی ہے:

"یہ جو غاروں میں بت موجود ہیں ان کے آسن ڈانس کے آسن نہیں بلکہ یوگا کے آسن ہیں اور یوگا اور آریورودیک طریق علاج اور بام واری عقیدہ تصوف جس میں وارث شاہ یقین رکھتا تھا سب پنجاب یعنی پاکستان کی دین ہیں۔ پاکستان سے پہلے لاہور میں کتھک کے استاد پنڈت امرناتھ تھے۔کتھک بنیاد ی طور پر ازبکستان کا فوک ڈانس تھا جسے مرد سپاہی اور کسان خوشی کے موقعے پر ناچتے تھے۔بابر کے ساتھ ڈانس ہندوستان میں آیا اور ہندوستان کی فضامیں اس کی شکل بدلنی شرو ع ہوئی۔"(۱۳)

فنونِ لطیفہ کی تاریخ میں پاکستان پر مشتمل علاقوں اور شخصیات کے ذکر سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خطہ ہردو رمیں کتنا زرخیز رہا ہے۔ موسیقی ہو یا رقص، تصوف ہو یا گائیکی اس خطے میں ان کی ہر دور میں نمایاں حیثیت رہی ہے۔

اس مضمون میں ادبی رنگوں کے مرقعوں کے ساتھ ساتھ علم بیاں یعنی تشبیہ و استعارہ کااستعمال بھی خوبصورتی سے کیاگیا ہے:

۱: تشبیہ:"پردہ اٹھا تو ایک خوبصورت بچی جیسے موتیے کا پاکیزہ پھول"(۱۴)

۲: استعارہ:"مجھے اس سفید تتلی کے رقص کا ذکر کرنا ہے"(۱۵)

۳: استعارہ:"اس تجدید عہد کی سلامی مسز اندومٹھا کے نام ہے جو ہمارے ریٹائرڈ جرنیل مٹھا کی بیگم ہیں انہوں نے رقص کے جگنو کو پچاس سال اپنی مٹھی میں بند رکھا اور زندہ رکھا۔" (۱۶)

یہ مضامین پاکستان کی سیاسی،سماجی اور معاشی صورتحال پر بھر پور تبصرہ بھی ہیں اور اس کی ترقی میں رکاوٹ کی اصل وجہ بقول مصنف پانچ سو خاندانوں کا جمہوریت کی آڑ میں قبضہ ہے اور ہمارے سیاسی اکا برین کی ذاتی مفادات کے حصول کی کرشمہ سازیوں کا احوال ہے اور ملکی و حدت اور بقا کے حصول کی علامت ہیں اور بہت سے اختلافی پہلوؤں کے باوجود مصنف کی وطن دوستی،سچائی اور سچ بیانی بھی ان مضامین کی خصوصیات میں شامل ہیں اور فکر ی اعتبار سے بھی یہ تحریریں ماضی اور حال سے مربوط ہیں اور آنے والے کل سے باخبر کرتی ہیں۔اور ملکی ترقی کیلئے رہنما اصول ان تحریروں میں موجود ہیں اور تاریخی علمی،ادبی،معاشی،سیاسی اورجمالیاتی حوالوں سے مصنف کی نثری کائنات کی وسعت کی عکاس ہیں۔ قلم کی عظمت کے بابت احمد بشیر لکھتے ہیں:

> "وہ اس حقیقت سے بخوبی آگاہ ہیں اس جہانِ فانی میں دوام ان ہی لوگوں کو حاصل ہوتا ہے جو تلوار کے ساتھ قلم سے بھی اپنا رشتہ مضبوط رکھتے ہیں۔"(۱۷)

اور اپنے اس رشتے کی مضبوطی میں کسی قسم کے جبر کوتسلیم نہیں کرتے تھے اور نہ ہی کسی مصلحت کاشکار ہوتے تھے ان کی انشا پردازی اور سچ بیانی کے متعلق مجید احمد لکھتے ہیں:

> "سچ یہ ہے کہ وہ ادیب بڑے کمال کے تھے۔ کیسے کیسے خوبصورت جملے لکھتے تھے۔اگر کوئی احمد بشیر کے خوبصورت جملے پڑھنا چاہے تو ان کی کتاب"جو ملے تھے راستے میں۔"اگر کسی کو احمد بشیر صاحب کی بے باکی دیکھنی ہو تو ان کا ناول"دل بھٹکے گا"پڑھے اور اگر کوئی یہ جاننا چاہتاہے کہ احمد بشیر صاحب کتنے نڈر،کتنے بہادر اور کتنے باغی صحافی تھے تو ان کے کالموں کامجموعہ"Dancing with wolves" اور"خون جگر ہونے تک" پڑھے۔"(۱۸)

احمد بشیر نثر کے ہر محاذ پر جنگجو بنے رہے۔ وہ جملوں میں طنز، بے باکی اور جرأت کا جادو بھر دیتے تھے۔ ان کی تحریریں پڑھنے والے کا دل انہیں کے نثری جہان میں بھٹکتا رہتا۔ ان کے یہ مضامین بھی خوبصورت جملوں کی خوبی کے حامل ہیں۔مثلاً:

> "یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ امریکہ سے ہمارے تعلقات کی نوعیت متعہ کی سی ہے جبکہ ہندوستان سے اس کا نکاح ہوچکا ہے اور نکاح عمر بھر کا ساتھ ہوتاہے۔"(۱۹)

احمد بشیر کی ۲۰۰۲ء میں لکھی ہوئی یہ بات ادبی نکتہ نظر سے تو اہم ہے ہی مگر سیاسی دور اندیشی کی بھی حامل ہے اور آج یعنی ۲۰۲۳ء میں ہم صحیح معنوں میں احمد بشیر کی تحریر کی تصویر بنے ہوئے ہیں۔احمد بشیر مزید لکھتے ہیں:

"بادشاہوں کے ناؤنوش کے اخراجات رعایا اٹھاتی ہے۔"(۲۰)

اس ایک جملے میں حکمرانوں کی عیاشیوں کے پور ے جہان کو سمیٹ دیا اور موجودہ حکمران بھی اس بات کی کسوٹی پر پورا اترے ہیں۔احمد بشیر مزید لکھتے ہیں:

"ہم بہت دلچسپ دور میں داخل ہورہے ہیں ہمارے سامنے داڑھیاں نوچی جائیں گی۔کپڑے پھٹیں گے۔سر گنجے ہوں گے۔کیونکہ اقتدار کی دھار تیز ہوتی ہے۔"(۲۱)

اقتدار کا نشہ جادو کی طرح سر چڑھ کر بولتا ہے۔ کیونکہ اقتدار ایسی نازنین کا نام ہے جسے نزاکت سیکھنی نہیں پڑتی بل کہ اقتدار کی تیز دھار خودبخود نزاکت کی سہیلی بن جاتی ہے۔ احمد بشیر قلم کے دھنی تھے۔ لفظوں کی حرمت کے شناور تھے اور قلمی عظمت اور اس کی کاٹ کا ہنر خوب جانتے تھے وہ قلم کی اہمیت اور اس کی قوت، عظمت اور شان کے بابت لکھتے ہیں:

"قلم ویسے تو دو تولے کا ہوتا ہے مگر تحریر کی نسبت سے اس کے وزن میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔"(۲۲)

صحافتی حلقوں میں قلم اور ضمیر کی فروخت اور بیوپار کا سلسلہ چلتا رہتا ہے اور بڑے بڑے قلمی ناموں کے قلم کا وزن بے وزنی میں ڈھلتا رہتا ہے اور اس طرح ضمیر کے قلم کے ہاتھ قلم ہوتے رہتے ہیں۔ احمد بشیر نے اپنی نوکریوں کی قربانی کا صدقہ دے دے کر اپنے قلم کی حرمت کو بچائے رکھا اور اپنے ضمیر کو باوزن بنائے رکھا۔ قلم کی حرمت کے احیا کے لیے وہ خودپسندی کے خول سے نکلنے کو بہت ضروری خیال کرتے تھے اور خود پسندی کے قلعہ کی مسماری کے لیے اپنی "میں" کو مارنا بہت ضروری سمجھتے تھے۔ وہ لکھتے ہیں:

"جنگ میں ہرکالم"میں"سے شروع ہوکر"میں"پرختم ہوجاتاہے۔ہمارے استادوں نے سکھایاتھاکہ"میں"ایک سے زیادہ بارفحاشی میں شمار ہوتاہے"میں"کا لفظ شرفاکم ہی استعمال کرتے ہیں۔"(۲۳)

صحافتی اقدار کی پیروی احمد بشیر کااوڑھنا بچھونا تھا۔ اپنے منہ میاں مٹھو بننے کی وہ صحافتی اقدار کی نفی سمجھتے تھے بل کہ اسے فحاشی کا لیبل لگاتے تھے۔ وہ میں میں کرنے والے افراد کو صحافی کی بجائے صحافتی طور پر صافی سمجھتے تھے۔

"ضیاء الحق نے غور سے گھورکر اسے کہا کہ میں نے کئی لاکھ روپیہ لگاکر ریسرچ کرائی ہے کہ پاکستان کی زمینیں نجی ملکیت ہوسکتی ہیں مگر تم لکھتے ہوکر اسلام میں اس کاکوئی جواز نہیں

رفیع اللہ شہاب جاہلوں کی جھاڑ جھپٹ کا عادی تھا جھگڑا نہیں کرتاتھا۔"(۲۴)

اسلام کے تصورِ ملکیت کے بارے میں اپنے خیالات اور رفیع اللہ شہاب کے تصورات میں پائی جانے یکسانیت کو بڑے خوبصورت انداز میں احمد بشیر نے بیان کیا ہے۔ جاگیرداری اور وڈیرہ شاہی کی حرام خوریوں کا تذکرہ ہمیں احمدبشیر کی آزاد منش طبیعت اور شخصیت بڑی بے باکی سے کرتی ہے اور یہ امید دلاتی ہے کہ:

"وقت بدلے گا اورگرے پڑوں کی بھی بن آئے گی مگر عوام کو بہت کچھ کرنا پڑے گامفت کچھ ہاتھ نہیں آتا۔"(۲۵)

احمد بشیر ایک محنتی انسان تھے اور امید کے دامن سے وابستگی ان کی پہچان تھی۔ وہ محنت کی عظمت اور شان سے بخوبی آگاہ تھے۔ انہیں بخوبی علم تھا کہ زندگی بے محنت پیہم زندگی نہیں رہتی بل کہ شرمندگی بن جاتی ہے۔ احمدبشیر نے کشمیر کے مسئلہ پر بھی خامہ فرسائی کی ہے۔ کشمیر میں جوانی کے دن گزارنے کی وجہ سے بھی ان کی اس خطے سے جذباتی وابستگی تھی۔ بیدِ مجنوں کے پیڑ کو بطور استعارہ استعمال کرتے ہوئے وہ کشمیر کی خوبصورتی کو ایک ایسی دلہن کی صورت میں پیش کرتے ہیں کہ انڈین جبر و ستم کی بنا پر اس دلہن کے عارض آنسوؤں کی آماجگاہ بن کے رہ گئے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

"Its tiny fresh green leaves incline downwars, like the many tears falling down a beloved's cheeks. The Kashmiri cheeks were always rosy. Now they are redder with the glow of fire which burns in their hearts".(26)

ترجمہ: (اس کے چھوٹے ہرے تازہ پتے اس طرح ہلتے ہیں کہ جیسے بہت سے آنسو کسی محبوبہ کے گالوں پر گرتے ہیں۔ کشمیریوں کے رخسار ہمیشہ سرخ ہوتے ہیں اب یہ اس آگ سے سرخ ہیں جو کہ ان کے دلوں میں جل رہی ہے۔)

ان مضامین میں موضوعات کا تنوع ہے، سیاسی،سماجی،معاشی اور جمالیاتی،موضوعات کے علاوہ فیض احمدفیض،سوہان سنگھ جوش،ہری سنگھ،پروفیسر رفیع اللہ شہاب اور دیگر شخصیات کے حوالے سے مضامین بھی ان کتب میں شامل ہیں احمدبشیران شخصیات کو ان کے اوصاف سمیت قاری تک پہنچاتے ہیں۔ان مضامین کے اختلافی پہلوؤں کے حوالے سے حمیداختر کے دوخطوط بھی ان کی کتاب"خون جگر ہونے تک"میں شامل ہیں جو اس خطے میں کمیونیزم اورکمیونسٹ پارٹی کی ماضی کی سرگرمیوں کے حوالے سے ہیں اور ان معلومات کا بہاؤ خاصہ متوازن ہے۔اور حقیقت بیانی اور حقائق نگاری ان سبھی مضامین میں ان کے امتیازی وصف کے طو ر پر موجود ہے۔انہوں نے اپنے مضامین کو دنیا داری کی مصلحتوں سے آلودہ نہیں ہونے دیاانہیں اس سچ بیانی کی وجہ سے کئی

نوکریوں سے محروم ہونا پڑا لیکن انہوں نے اس بات کی پرواہ نہ کی اور حکومتی اخبار" مساوات" میں بھی اداریہ اس انداز سے لکھتے کہ حکومت پر تنقیدکا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے اور انتظامیہ کی ناقص کارکردگی کوبھی منظر عام پر لانے سے گریز نہ کرتے، زاہد عکاسی لکھتے ہیں :

> "احمد بشیر مساوات کا اداریہ لکھا کرتے تھے اور ان کے اداریہ کی وجہ سے ہی مساوات کی سرکولیشن چند دنوں میں کہیں سے کہیں پہنچ گئی تھی۔احمدبشیر اداریہ کے علاوہ ہفتہ میں ایک مضمون بھی لکھاکرتے تھے جوبڑے پایہ کا ہوتاتھا۔اس مضمون کے ذریعے بڑے بڑے لوگ تڑپ جاتے تھے۔ایک بار انہوں نے مولانا کوثر نیازی کے خلاف ایک مضمون"یہ پری چہرہ لوگ کیسے ہیں" لکھا تھا جس پر مولانا کافی جزبز ہوئے تھے۔احمد بشیر چونکہ سچے آدمی تھے لہذا منافق لوگوں کو پہچانتے تھے۔انہوں نے جوکچھ لکھا بعد میں سچ ثابت ہوا۔"(۲۷)

احمد بشیر نے زندگی کو جس رنگ میں دیکھا ویسا ہی بیان کردیا وہ حقیقت بیانی کے قائل تھے اور اس حقیقت کے بیان میں وہ عمو ماً مصلحت کا شکار نہ ہوتے بلکہ پڑھنے والے کو اپنے قلم کی سچائی کے بیان سے ایسا حیران کن جھٹکا دیتے کہ قاری کے ہوش اڑجاتے یا اسے ہوش آجاتا۔احمد بشیر اپنے انداز بیان سے جزوکو کل میں پیش کرنے میں مہارت رکھتے تھے۔ ان کے مضامین میں بھی یہ خوبی نمایاں ہے ۔احمد بشیرجمالیاتی طو رپر فنکارکے ساتھ ساتھ فن کے قائل تھے اور اس کا اظہار بھی ان کی مضمون نویسی میں جا بجا ملتا ہے۔احمد بشیر کا یہ نثری کمال اوراس میں پایاجانے والا سچائی سے معمور جلال آنے والے دور میں پڑھنے اور لکھنے والوں کی رہنمائی کرتارہے گا۔

حوالہ جات

۱۔ یونس جاوید نے اپنے مضمون 'جوگی' میں احمدبشیر کے مضامین کو"جواہر پارے" کہاہے۔

۲۔ احمد بشیر، Dancing With Wolves،لاہور:جنگ،پبلشرز:۱۹۹۸ء،ص :۳۶۶

۳۔ احمد بشیر،خون جگر ہونے تک، ص: ۱۸۵

۴۔ ایضاً،ص: ۱۷۹

۵۔ ایضاً،ص:۱۸۱

۶۔ ایضاً،ص: ۳۳

۷۔ ایضاً،ص:۱۸۱

۸۔ ایضاً،ص:۲۵۲

۹۔ احمدبشیر،Dancing with wolves،ص :۸۱

۱۰۔ احمد بشیر، خون جگر ہونے تک، ص :۱۱۰

۱۱۔ اظہر جاوید، اوپر سے پتھر اندر سے موم، ماہنامہ نیا زمانہ، لاہور: فروری ۲۰۰۵ء، ص؛۴۷

۱۲۔ احمد بشیر، خون جگر ہونے تک، ص :۱۲۵۔۱۲۷

۱۳۔ ایضاً،ص:۱۲۵

۱۴۔ ایضاً،ص: ۱۲۶

۱۵۔ ایضاً،ص:۱۲۶

۱۶۔ ایضاً،ص:۱۲۶

۱۷۔ شبیہ الحسن، ڈاکٹر، تصریحات، لاہور : الحسن پبلی کیشنز، ۲۰۰۵ ء،ص:۲۲۰

۱۸۔ مجیداحمد، احمد بشیر کی یاد میں،ص :۴۵

۱۹۔ احمدبشیر، خون جگر ہونے تک، ص: ۱۴۵

۲۰۔ ایضاً،ص:۱۷۱

۲۱۔ ایضاً،ص:۱۷۳

۲۲۔ ایضاً،ص:۱۷۹

۲۳۔ ایضاً،ص:۱۸۵

۲۴۔ ایضاً،ص:۱۹۰

۲۵۔ ایضاً،ص:۲۸۳

۲۶۔ احمدبشیر،Dancing with wolves،ص :۱۶۳

۲۷۔ زاہد عکاسی، وقت بہتادریا ،(لاہور: ماہنامہ،نیازمانہ،فروری ۲۰۰۵ء)،ص :۵۶